

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ فکرِ اسلامی کی روشنی میں

An Analysis of the theory of the Clash of Civilizations in the Light of Islamic Thought

Dr. Fareed Ud Din Tariq*

Received: June 2, 2019 | Revised: Dec 21, 2021 | Accepted: Dec 29, 2021 | Available Online: February 05, 2022

DOI: <https://doi.org/10.52015/albasirah.v10i2.53>

ABSTRACT

The quintessence of the theory of "The Clash of Civilizations" presented by American political expert Samuel P. Huntington in his book 'The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order' is that the cause of wars and disputes in the world, after the end of the cold war between the United States and Russia, will not be various ideologies but the main reasons behind discord and strife will be cultural and religious identities of people. Far-sighted persons know that before Huntington many western thinkers have also expressed similar views. Western concept of 'The Clash of Civilizations' is such a reality that existed centuries before P. Huntington's book and is there even today. The early signs of this civilizational clash are present in the establishment of European colonization and in the history of crusades. Professor Huntington explains that the clash between Islam and western civilization has become inevitable. Clearly stating the hidden agenda of establishing global western supremacy, he has expressed his apprehension that Islam can upset the current global power balance. Therefore, he has proposed to the western leadership that it should adopt such exploitative strategies against other civilizations so that it only can remain the dominant civilization in the world. It is for this reason that the west is continuously following an aggressive policy against other civilizations. Being mindful of the Islamic way of thinking, a research-based analytical review of this concept of civilizational clash has been taken in this paper. In the light of Islamic teachings and Muslim thought, it has been made clear that Islam rejects the concept of the clash of civilizations rather it teaches civilizational coexistence and holding dialogue. This is the concept through which peace and security can prevail in the world.

Keywords: *Clash of Civilizations, Huntington, Islamic Thoughts, Western Supremacy, Peaceful Coexistence.*

Funding: This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Correspondence Author: dr.fareed.uajk@gmail.com

*اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد

تہذیبوں اور قوموں کے درمیان مسابقت اور کش مکش انسانی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نئی بات یہ ہے کہ عہد حاضر میں یہ کش مکش تصادم میں تبدیل ہوتی نظر آتی ہے۔ مغربی تہذیب و معاشرت اور اسلامی تہذیب و معاشرت، دو مختلف طریقہ ہائے زندگی ہیں۔ ان دونوں تہذیبوں میں اقدارِ مشترک کم ہیں اور تضاد و تخالف کے پہلو زیادہ ہیں۔ زیر بحث "تہذیبوں کے تصادم" کا نظریہ جسے امریکی ماہر سیاسیات، سیموئل فلپس، ٹنگٹن (Samuel Phillips Huntington)¹ نے پیش کیا جس کا لب لباب یہ ہے کہ "(امریکہ اور روس کے درمیان) سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا میں تنازعات اور جنگوں کا باعث مختلف نظریات نہیں ہوں گے بلکہ تنازعات کی بنیادی وجوہات لوگوں کی ثقافتی اور مذہبی شناختیں ہوں گی۔ پروفیسر سیموئل پی ہن ٹنگٹن یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم ناگزیر ہو چکا ہے۔ ہن ٹنگٹن نے اپنے اس خدشے کا بھی برملا اظہار کیا ہے کہ اسلام کا عالمی تحریک طاقت کے موجودہ توازن کو درہم برہم کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مغربی قیادت اور مفکرین کو تجویز کیا ہے کہ مغرب کو دوسری تہذیبوں کے خلاف ایسی استحصالی حکمت عملی پر کاربند ہونا چاہیے کہ صرف وہی دنیا کی بالادست تہذیب کے طور قائم رہ سکے۔² سوال یہ ہے کہ مغرب کے اس نظریہ تصادم کو اسلامی فکر و تعلیمات کی روشنی میں تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور تہذیبوں کے تصادم کے بجائے بقائے باہمی پر زور دیا گیا ہے۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ

زیر بحث تہذیبی تصادم کے نظریے کے حق میں مغربی مفکرین کی طرف سے بہت سے مقالے تحریر کیے گئے ہیں۔ مختلف ویب سائٹس پہ بھی اس نظریے کے حق میں تحریری مواد کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مغرب کے اس نظریہ تصادم کا اسلامی فکر و تعلیمات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔ اس موضوع پر اردو میں قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ اس حوالے سے ایک مقالہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملانیشیا کے ایک

1- پروفیسر سیموئل فلپس، ٹنگٹن، اپریل 1927 میں امریکہ میں پیدا ہوئے گریجویٹن کے بعد امریکی فوج میں ملازمت اختیار کی، ہارورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور وہیں شعبہ سیاسیات میں تدریس و تحقیق سے وابستہ رہے، وائٹ ہاوس میں کوآرڈینیٹر پلاننگ فار نیشنل سیکورٹی کونسل (1977-78) اور چیئرمین ہارورڈ اکیڈمی فار انٹرنیشنل اینڈ ایریا سٹڈیز بھی رہے۔ خصوصی دلچسپی کے امور میں سماجیات اور قومی سلامتی کے امور میں حکمت عملی کی تشکیل شامل ہیں۔ دور حاضر میں امریکی عسکری یلغار اور تہذیبی تصادم کے نظریے کو فکری جواز فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

2-Samuel Phillips Huntington, The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order, Simon & Schuster New York, 1996, p.34

پروفیسر ڈاکٹر محمد ممتاز علی نے لکھا تھا۔ اس مقالے میں انہوں نے مغرب کی موجودہ فکری اور امریکی دانشور پروفیسر سمویل پی ہن ٹنگٹن اور اسلامی تحریک کے فکری راہنما پروفیسر خورشید احمد کی فکر اور خیالات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ علمی مجلہ Encounter میں ستمبر 1995 میں شائع ہوا۔ لیکن یہ مقالہ بھی پی ہن ٹنگٹن اور پروفیسر خورشید احمد کے افکار کے تقابلی مطالعے تک محدود ہے۔

منہج تحقیق

اس تحقیقی مقالے کی تیاری اور نتائج کے حصول کے لیے تجزیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ تہذیبی تصادم کے نظریہ پر بحث اور اس کا اسلامی فکر کے تناظر میں جائزہ لینے سے قبل تہذیب و ثقافت کے بنیادی مفہوم پر بحث کی گئی ہے۔

تہذیب و ثقافت کا مفہوم

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی شاخ تراشی کرنا، پاکیزہ کرنا، درست کرنا ہے، اصلاح کرنا ہے۔ لسان العرب میں تہذیب کے لغوی معنی چھانٹنے، اصلاح کرنے، سنوارنے اور پاکیزہ کرنے کے ہیں۔² ثقافت کے لغوی معنی ہیں زیرک، سبک، اور چالاک ہونا ثقافت کے معنی سیدھا کرنا، مہذب بنانا، تعلیم دینا ہے اور الثقافت نیزوں کو سیدھا کرنے والے کو کہتے ہیں۔³ انگریزی کا لفظ کلچر عربی لفظ ثقافت کے ہم معنی ہے۔ لفظ کلچر (Culture) معنی زراعت، فلاح، پرورش، تہذیب اور (ذہنی) ترقی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان تینوں الفاظ کے معنی میں درستگی اور اصلاح کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہی معنی ان اصطلاحی تعریفوں میں نمایاں ہیں۔

1- پروفیسر خورشید احمد 23 مارچ 1932ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قانون اور اس کے مبادیات میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اکنامکس اور اسلامیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی، جبکہ ایجوکیشن میں یونیورسٹی کی طرف سے انہیں اعزازی ڈگری عطا کی گئی جبکہ نجر یونیورسٹی برطانیہ نے 2003 میں ڈاکٹر آف لیٹریچر کی ڈگری عطا کی۔ پروفیسر صاحب کو اسلام، تعلیم، عالمی اقتصادیات کے ماہر کے طور پر بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ 1955ء سے لے کر 1958ء تک کراچی یونیورسٹی میں پڑھایا۔ یونیورسٹی آف لیٹریچر میں ریسرچ سکالر بھی رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب 1978ء میں وفاقی وزیر منصوبہ بندی و ترقی رہے ہیں۔ 1983ء سے 1987ء تک آپ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ آف اکنامکس کے چیئرمین رہے۔ 1979ء سے 1983ء تک شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جده کے وائس پریزیڈنٹ رہے۔ 1985، 1997 اور 2002ء میں سینٹ آف پاکستان کے رکن منتخب ہوئے اور سینٹ کی قائمہ کمیٹی برائے امور اقتصادی و منصوبہ بندی کے چیئرمین کے طور پر کام بھی کیا۔ پروفیسر صاحب انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، دوسرا لیسٹر (بوک) کی اسلامک فاؤنڈیشن کے بانی چیئرمین ہیں۔

2- ابن منظور افریقی، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دارالصادر بیروت، لبنان، 1956ء، 91-92

3- لوئیس معلوف، المنجد فی اللغة، المطبعة الكاثولیکة۔ بیروت، 1944-945

ڈاکٹر جمیل جالبی ثقافت کے دائرہ میں مذہب، عقائد، رسوم و رواج، معاشرت، مادی وسائل و ضروریات اور زندگی کے دیگر تمام عوامل کو بھی شامل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کلچر میں مذہب" عقائد، رسوم و رواج، معاشرت، مادی معاشرت، مادی وسائل و ضروریات اور زندگی کے سارے عوامل شامل ہیں"¹

مفکرین اور ماہرین لسانیات اس کی تعریف میں مذہب، سیاست، اقتدار، آرٹ، سائنس، ٹیکنالوجی، تعلیم، زبان، رسم و رواج وغیرہ، کے علاوہ نظریات، علم، عقیدہ، نمونہ، اقتدار اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔

اس بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلچر نام ہے افکار و نظریات میں ایسے سلیجھاؤ اور ترتیب کا جو عملی زندگی کے لیے بہترین بنیاد بن سکیں جبکہ تمدن اس کے مظاہر کا نام ہے۔

تہذیب کے عناصر ترکیبی

تہذیب و ثقافت کے عناصر ترکیبی یا کیمیائی میں تصور کا دار و مدار بنیادی مفہوم پر ہے۔ اگر تہذیب و ثقافت کا مفہوم انسانی زندگی کے تمام اعمال ہیں تو پھر اس کے اجزائے ترکیبی میں آرٹ، معاشرتی نظم، عادات و رسوم اور مذہب وغیرہ شامل ہوں گے اور اگر اس سے مراد عقلی و ذہنی سدھار اور نشو و نما ہے تو پھر اس کے عناصر ترکیبی، نظریاتی اور فکری طرز کے ہوں گے۔ ثقافت کی تعریف میں چونکہ دوسرے نقطہ نظر کو ترجیح دی گئی ہے اس لیے محقق کے نزدیک تہذیب کے عناصر ترکیبی ذہنی و عقلی ہوں گے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی تہذیب کے عناصر ترکیبی یہ ہو سکتے ہیں:

۱۔ دنیوی زندگی کا تصور: مثلاً انسان کی حیثیت کیا ہے؟ دنیا کیا ہے؟ انسان کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے؟ دنیا برتنے کی چیز ہے کہ نہیں؟

۲۔ زندگی کا نصب العین: مثلاً انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ سعی و جہد کس کے لیے ہے؟ وہ کون سا منتہائے مقصود ہے جسے حاصل کرنا انسان کا فرض ہے؟

۳۔ اساسی عقائد و افکار: یعنی انسانی سیرت کی تعمیر کن بنیادی عقائد و افکار پر کی گئی ہے۔ انسان کی ذہنیت کو کس سانچے میں ڈھلانا ہے؟ وہ محرکات کیا ہیں جو نصب العین کے حصول کے لیے مخصوص عملی رنگ پر ابھارتے ہیں؟

۴۔ تربیت افراد کے اصول: یعنی انسان، بحیثیت انسان کیسے ہونا چاہیے؟ وہ کون سے خصائل و اوصاف ہیں جو انسان کے اندر پیدا ہونے اور نشو و نما پانے چاہئیں؟

۵۔ نظام اجتماعی کے اصول: انسان اور انسان کا باہمی تعلق کیا ہے؟ انسانی تعلقات کی تقسیم کیسے ہوئی؟ خاندان،

1 - جالبی، ڈاکٹر جمیل، پاکستانی کلچر، ایٹ پبلشرز لمیٹڈ کراچی 1973ء، 27

ہمسایہ، دوست، اجنبی، ماتحت وغیرہ کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟¹ کسی تہذیب کا تجزیہ ہم انہی عناصر کی روشنی میں کر سکتے ہیں، کیا وہ تہذیب مستحکم ہے یا فاسد، اچھی ہے یا بُری؟ اس کا فیصلہ یہی عناصر کریں گے۔ ان عناصر تر کیبی پر نظر ڈالنے سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام تر فکری بنیادیں، اصول اور افکار ہیں۔ انہی اصولوں کی فکری تشریح و توضیح سے تہذیب کا پورا ڈھانچہ استوار ہو گا اور انہی اصول و افکار کی عملی صورت سے تمدن (Civilization) وجود پذیر ہو گا۔ انسانی زندگی کے دو کامل اجزاء ہیں جن میں سے ایک فکر ہے اور دوسرا عمل، اس لیے کلچر فکر اور تمدن کے عملی مظاہر کا نام ہو گا۔ جس طرح فکر صالح بھی ہو سکتی ہے اور فاسد بھی، اسی طرح تہذیب صالح بھی ہو سکتی ہے اور فاسد بھی ہو سکتی ہے۔

تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ اور اس کا تجزیہ

1- نظریہ تصادم: "تہذیبوں کے تصادم" کا نظریہ جسے امریکی ماہر سیاسیات، سیمونل فلپس، سٹنگٹن (Samuel Phillips Huntington) نے یوں پیش کیا:

People's cultural & religious identities will be primary sources of conflict in the post-cold War World.²

بالفاظ دیگر یوں کہیے:

اب سرمایہ داری اور سوشلزم کا تنازعہ دنیا میں جنگ کا باعث نہیں بنے گا۔ اس نظریے کو سب سے پہلے اُس نے 1992ء میں امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ کے اندر دیے جانے والے ایک لیکچر میں پیش کیا جسے بعد ازاں 1993ء میں امور خارجہ کے مجلے "Foreign Affairs" میں "تہذیبوں کا تصادم" کے عنوان کے تحت ایک باقاعدہ مضمون کی صورت میں شائع کیا۔ سٹنگٹن نے اپنے نظریے کی توسیع کرتے ہوئے 1995ء میں اسے باقاعدہ کتاب کی شکل دی اور اس کا نام "تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو" (The Clash Of Civilization And The Remaking Of World Order) رکھا۔

"تہذیبوں کا تصادم" کی اصطلاح نے پروفیسر سیمونل ہن سٹنگٹن کی اس مشہور زمانہ کتاب کے ذریعے دنیا بھر کو متوجہ کیا مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ ہن سٹنگٹن سے تقریباً گیارہ برس قبل مشہور یہودی مورخ برنارڈ لیوس اپنی کتاب A Middle East Mosaic میں اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان ٹکراؤ کا تجزیہ کر چکا تھا۔ برنارڈ لیوس بھی اس میدان میں پہلا مفکر نہ تھا۔ سے قبل برطانوی مفکر آرنلڈ ٹائٹن بی کے لیکچر پر مشتمل

1 - سید مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، 14

2 - Huntington, The Clash of Civilizations, P.12

کتاب The World And The West اس موضوع کا احاطہ کر چکی تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ برنارڈ لیوس اور ٹائن بی کی زبان علمی ہے اور سیموئیل ہن ٹنگٹن کا انداز نسبتاً عام فہم ہے۔ ”تہذیبوں کا تصادم“ وہ حقیقت ہے جس کا وجود سیموئیل ہن ٹنگٹن کی شہرہ آفاق تصنیف The Clash of Civilization کی رو نمائی سے صدیوں قبل تا امروز موجود ہے اور مستقبل میں بھی اس تصادم کے خاتمے کے امکانات ناپید ہیں۔ اس تہذیبی تصادم کے ابتدائی نشانات یورپی نوآبادیات کے قیام اور صلیبی جنگوں کی تاریخ میں موجود ہیں۔

تہذیب کے ضمن میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ کچھ لوگ تہذیب اور تہذیب کے مظاہر میں فرق نہیں سمجھتے اور تہذیبوں کے مظاہر مثلاً رسم رواج، لباس اور رہن سہن کے معاملات کے فرق کو تہذیبی اختلاف قرار دیتے ہیں مگر یہ ایک سطحی موازنہ ہے۔ یہ سب تہذیب کے مظاہر اور تفصیلات ہیں۔ تہذیب کی بنیاد اس کے چند اساسی نظریات ہوا کرتے ہیں۔ تہذیب اپنے تصور کائنات (World View) اور تصور خالق اور تصور انسان سے پہچانی جاتی ہے۔ عقیدہ جب فکر و عمل میں ڈھلتا ہے تو چند مظاہر سامنے آتے ہیں۔ یہی مظاہر ”تہذیب“ کہلاتے ہیں۔ عقائد کی درستی یا خرابی کا اندازہ تہذیبی مظاہر سے ہوتا ہے۔ اس لئے تہذیب ایک اعتبار سے عقائد کا اظہار ہے اور عقائد تہذیب کا باطن ہیں۔ عقائد اور تہذیب میں بیچ اور درخت کا تعلق ہے۔ تہذیب اپنے بنیادی عقائد اور ان کے مظاہر پر مشتمل ہوتی ہے۔¹

خالق کائنات، کائنات، انسان اور علم کے بارے میں مختلف نظریات و عقائد تہذیبوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں سیکولر مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب، ہندو تہذیب، عیسائی تہذیب، چینی تہذیب اور بدھ تہذیب سمیت کئی بڑی تہذیبیں موجود ہیں۔ اسلامی تہذیب کے علاوہ دیگر تمام تہذیبیں اپنی مخصوص ترکیب کی بناء پر سیکولر مغربی تہذیب سے مفاہمت اور تعاون کی راہ اپنا چکی ہیں۔ عیسائیت چند صدی پیشتر ابتدائی تصادم کے بعد ہار مان چکی ہے۔ ہندو تہذیب بوجہ ایک مکمل نظام زندگی دینے کی صلاحیت سے معذور ہے، اس لیے ہندو اپنی تہذیبی اقدار پر اصرار کے بجائے مغربی اقدار کو اپنانے میں سبقت لے جانے میں مصروف ہیں۔ بدھ تہذیب کو نظام زندگی سے کوئی سروکار نہیں۔ البتہ چینی تہذیب میں موجود تاؤ ازم اور کنفیو شس ازم کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ان تہذیبوں کے بنیاد پر آئندہ چین اور مغرب میں ٹکراؤ ہوگا۔ مگر یہ ممکنہ ٹکراؤ محض مادی مفادات کی جنگ ہوگا جس کا تہذیبی اختلاف سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ خود تاؤ ازم اور کنفیو شس ازم چند اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہیں۔²

جس طرح انسان اپنی خوبیوں پر اصرار کرتے ہیں اسی طرح ہر تہذیب نہ صرف خیر و شر کا اپنا نظام رکھتی ہے بلکہ اس پر اصرار بھی کرتی ہے۔ مختلف تہذیبوں کا اپنی اقدار پر یہ اصرار کسی نہ کسی مرحلے میں تہذیبی تصادم کو جنم

1 - سید مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اول و مہادی، 23

2 - فاروقی، عماد الحسن، دنیا کے بڑے مذاہب، مکتبہ جدید پریس، لاہور، 2013، 75، 90، 167

دیتا ہے۔ فرانس میں مسلم خواتین کو پردہ کرنے سے زبردستی روکا جا رہا ہے، اسکولوں میں طالبات کو اسکارف پہننے سے منع کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف مسلم خواتین پردہ کرنے کے حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ چھوٹا سا معاملہ اس تہذیبی تصادم کا صرف ایک پہلو ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اسلامی اور مغربی دونوں تہذیبیں اپنے تصور کائنات اور اقدار ترک کرنے پر تیار نہیں۔ اپنی اپنی اقدار پر یہ اصرار تہذیبوں کے تصادم کو جنم دے رہا ہے۔

2۔ نظریہ تصادم، ہن ٹنگٹن کے خدشات: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغرب جو کچھ دیکھتا ہے اس کا اس سے گہرا تعلق ہے جو مغرب دیکھنے کا آرزو مند ہے اور اگر صاف بات کی جائے تو سارا مسئلہ یہ ہے کہ مغرب کیا دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ مثال کے طور پر ہن ٹنگٹن نے لکھا ہے:

”مغرب ایک طاقت ور تہذیب ہے اور آنے والے برسوں میں بھی وہ طاقتور رہے گا لیکن اس کی قوت

دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں رو بہ زوال ہے۔ جوں جوں مغرب اپنی اقدار پر زور دیتا ہے اور اپنے

مفادات کے تحفظ کے لیے کوشاں رہتا ہے، غیر مغربی معاشروں کو بہتر تہذیبی انتخاب کا چیلنج درپیش

رہتا ہے۔“¹

ہن ٹنگٹن نے مزید کہا ہے کہ بعض معاشرے مغرب کی نقالی (Emulate) کرتے ہیں۔ وہ مغرب میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا اس تہذیب کے حاشیہ بردار (Bandwagon) بننا پسند کرتے ہیں، جبکہ دوسری تہذیبیں مثلاً کنفوشس [م: 479 ق م] کی تہذیب (اہل چین) یا اسلامی معاشرے مغربی اقدار کی نہ صرف مزاحمت کرتے ہیں، بلکہ اپنی اقتصادی اور فوجی قوت کو بڑھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں، تاکہ مغرب کی مزاحمت کر سکیں یا کم از کم اس سے توازن قائم رکھ سکیں۔ چنانچہ سرد جنگ کے بعد کی عالمی سیاست کا محور، مغرب کی طاقت اور ثقافت کے غیر مغربی تہذیبوں کی، طاقت اور ثقافت کے ساتھ باہمی ربط و تعاون پر استوار ہو گا۔

ہن ٹنگٹن کے پیش تر خدشات و خطرات ان خیالات کے گرد گھومتے ہیں کہ مغربی تہذیب کو دینا کی سب سے بالادست تہذیب کے طور پر جاری و ساری رہنا چاہیے اور کسی دوسری تہذیب کو اپنا آپ منوانے، مغرب کی مزاحمت کا سوچنے یا توازن پیدا کرنے کی خاطر فروغ کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غیر مغربی تہذیبوں میں، ہن ٹنگٹن کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چینی اور اسلامی تہذیبیں ہیں۔ تاہم وہ چین اور اس کے میزائلوں سے بھی زیادہ اسلام اور اس کے احیا (Revival) کو خطرناک تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعض مغربی اصحاب، جن میں (امریکی) صدر بل کلنٹن (1993ء-2000ء) بھی شامل ہیں۔ یہ

دلیل پیش کرتے ہیں کہ مغرب کوئی نفسہ اسلام کے وجود سے کسی مشکل کا سامنا نہیں بلکہ تشدد پسند اور

انتہا پسند اسلامی عناصر مشکلات کا باعث ہیں۔ مگر 14 سو سالہ تاریخ تو کچھ اور بتاتی ہے۔ اسلام اور

مسیحیت جن میں راسخ العقیدہ اور مغربی دونوں شامل ہیں، ان کے درمیان تعلقات، اکثر ہنگامہ خیز رہے

ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی رہے ہیں۔¹

وہ اپنے نظریے کو تقویت پہنچانے کے لیے کئی تاریخی واقعات سے نتائج اخذ کرتے اور اپنے مخصوص دھمکی آمیز تصور کے تحت برنارڈ لیوس جیسے اسکالروں کی آرا پیش کرتے ہیں۔ برنارڈ لیوس کا کہنا ہے: تقریباً ایک ہزار سال قبل اس وقت سے جب اسپین کی سر زمین پر پہلے موریش (مسلمان) نے قدم رکھا تھا، ترکی کے ہاتھوں ویانا کے دوسرے محاصرے تک یورپ ہمیشہ اسلام کے خطرے سے دوچار رہا ہے۔² پھر اسی بات کو ہن ٹنگٹن نے زور دے کر کہا ہے: "اسلام ہی وہ واحد تہذیب ہے جس نے مغرب کی بقاء و سلامتی کو ہی غیر یقینی بنا کر رکھا ہوا ہے اور اس نے یہ کام کم از کم دو بار کر دکھایا ہے۔"³

3۔ ثقافتی و تہذیبی غلبے کی کش مکش

ہن ٹنگٹن کے نزدیک تو درحقیقت اسلامی بنیاد پرستی سے زیادہ اسلامی تہذیب ہی اصل چیلنج ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

مغرب کے لیے اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں ہے بلکہ یہ خطرہ بذات خود اسلام ہے جو ایک مختلف

تہذیب ہے جس سے تعلق رکھنے والے لوگ اس تہذیب اور ثقافت کے بالاتر ہونے پر پختہ یقین

رکھتے ہیں اور اپنی قوت کے کم تر ہونے کے اندیشے میں مبتلا ہیں۔⁴

ہن ٹنگٹن کے خیال میں اسلام (مسلمان) اور مغرب مختلف تہذیبیں ہیں، چنانچہ ان دونوں تہذیبوں میں عوام اپنی اپنی ثقافت کی عالم گیریت کے تصور اور اس کے بالاتر ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ اگر ان تہذیبوں میں سے کوئی ایک بھی، اپنی ثقافت دوسرے پر ٹھونسنے کی کوشش کرے تو دوسری اس کی مزاحمت کرتی ہے۔ چنانچہ ہن ٹنگٹن کے مطابق یہی وہ بنیادی عوامل ہیں جو اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم کے خطرات کے شعلوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ گویا اس کے نزدیک اسلام اور مغرب کے تصادم کا سب سے بڑا عنصر اسلام کے تہذیبی اختلافات اور اس کی ثقافت کا مغرب سمیت دوسروں سے برتر ہونے کا یقین ہے۔ اور تہذیبوں کا تصادم دونوں تہذیبوں کے اس یقین سے ہی بھڑکتا ہے کہ دنیا میں ان کی ثقافت ہی بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریک احیا کو مغرب میں ثقافتی آزادی کی تحریک تصور کیا جاتا ہے۔ فرانکیوس برگٹ نے اظہار کیا ہے:

1 - Huntington, The Clash of Civilizations, P.29

2 Bernard Lewis, A Middle East Mosaic: Fragments of Life, Letters and History, Oxford University Press, New York, 1993, p.13

3 -Huntington, The Clash of Civilizations, P.73

"ہم نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کا تیسرا مرحلہ دیکھ رہے ہیں۔ پہلا مرحلہ سیاسی تھا، جسے (مغربی استعمار کے زیر تسلط علاقوں میں) آزادی کی تحریکوں سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا مرحلہ اقتصادی تھا، جس کے دوران مصر میں نہر سوئز کو اور الجزائر میں تیل کی صنعت کو قومیا گیا۔ اب آخری مرحلہ ثقافتی (غلبے اور کشمکش کا) ہے۔"¹

بلاشبہ اسلام اور مغرب کے درمیان متعدد بڑے بنیادی ثقافتی اختلافات موجود ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے مغرب کی ثقافتی سامراجیت کی ہمیشہ مزاحمت کی ہے۔ اگرچہ نوآبادیاتی نظام کے دوران، اور اس کے بعد بھی مسلم ممالک میں مغرب کے ہمہ پہلو ثقافتی حملے کے باعث مسلم معاشروں کا ایک بڑا حصہ لادینیت (سیکولزم) کی طرف مائل ہوا اور مغربی رنگ میں رنگا گیا، لیکن اس کے باوجود یہ حملہ مسلم معاشروں کے تمام عناصر کے خلاف کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ تاہم، اسلام نے اپنی تہذیب و ثقافت کو بچانے یا پھیلانے کے لیے نہ جنگ کا سہارا لیا ہے اور نہ اس کا مقصد کے لیے لڑتا رہا ہے۔

بہر حال یہ بات ضرور ہے کہ اسلام کی ثقافت میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ وہ ایسے غیر ملکی نظریات اور اخلاقیات کو قبول کر لے جو اسلامی اخلاق اور نظریات سے متصادم ہوں۔ اسلام کی یہ بھی ثقافت نہیں کہ وہ اپنے اپنے ثقافتی غلبے کے لیے جنگ میں کود پڑے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی ثقافت یہ ہے کہ وہ ہر ایسی ثقافتی سامراجیت کی مزاحمت ضرور کرتا ہے جو اس پر محسوس یا غیر محسوس انداز سے ٹھونسنے کی کوشش کیا جائے۔ یوں اسلام اپنی ثقافت کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے جدوجہد میں مشغول ہے۔ پروفیسر خورشید لکھتے ہیں:

اسلامی احیا کا موجودہ مرحلہ مغربی نمونوں کی غلامانہ نقالی (Slavish Imitation) سے روکتا اور

اس

سے دور رہنے پر اصرار کرتا ہے۔ اس کا یہ بھی مقصد ہے کہ اس کے پیروکاروں کو دیکھ بھال کر انتہائی نقطہ نظر سے فیصلہ کرنا چاہیے کہ انہیں بیرونی تہذیبوں میں سے کون سی بات اختیار کرنی چاہیے، اور کون سی نہیں۔ اسلامی معاشرہ اگرچہ کئی پہلوؤں سے مغربی تجربات سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کی قیمت پر غیر ملکی تہذیبوں کو خود اپنے آپ پر مسلط ہونے دے۔²

اس کا واضح طور مطلب یہ ہے کہ اسلامی احیا کے لائحہ عمل میں ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو لازماً دوسری تہذیبوں پر مسلط کرے، سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی تہذیب کا تحفظ ضرور کرے گا۔ چنانچہ اگر مغرب اپنے

1 - Shireen T. Hunter, The Future of Islam and the West, Center for Strategic and International Studies, Washington, 1998, p. 73

2 - Ahmad, Khurshid. "Man and the Future of Civilization: An Islamic Perspective." Encounters 1, no. 1 (1995). p. 51

تہذیبی سامراجی پروگرام کو مسلط کرنے کا عزم و ارادہ ختم کر دے تو تہذیبوں کے درمیان تصادم کے اس خود ساختہ منظر نامے کو تبدیل کیا جاسکتا ہے چاہے یہ تصادم صرف تہذیبی مقاصد پر ہی کیوں نہ مبنی ہو۔

4- نظریہ تصادم اور مغرب کے مفادات: دوسرے لفظوں میں یہ تصادم ایک عالمی تہذیبی حکمرانی کے بجائے عالمی قوت و اقتدار اور اثر و رسوخ کے لیے ہے۔ پھر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اسلام کے پیروکار بین الاقوامی، اقتصادی اور سیاسی نظاموں پر مغرب کی بالادستی کی مخالفت کرتے ہیں۔ مسلم ممالک میں مغرب کی حاشیہ بردار غیر نمائندہ اور جابر حکومتوں کی خود مغرب کی طرف سے حمایت اور مغرب خصوصاً امریکا کی طرف سے اسرائیل کی ایک طرفہ حمایت وغیرہ بھی مسلمانوں کی ناراضگی کا سبب ہے۔ شیریں ہنٹرنے یہ دلیل بھی پیش کی ہے: "عالم اسلام اور مغرب کے درمیان دشمنی کی سطح کا ایک اہم عامل یروشلم (فلسطین) میں مسلمانوں کے حقوق بھی ہیں۔"¹

ان سب عوامل کے علاوہ اسلام اور تیل کے درمیان دھماکہ خیز ہنرمون (تعلق) نے بھی تصادم کے نظریے میں ایک فیصلہ کن عنصر کا کردار ادا کیا ہے۔ شیریں ہنٹرنے بتایا ہے کہ بحیرہ کیسپین، فارس، کاکیشیا کی چوٹیوں سے عرب کے صحراؤں اور وسطی ایشیا کی ڈھلوانوں سمیت ہر مسلم ملک میں تیل اور گیس کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ اور مغرب کی فوجی اور صنعتی قوت کا دار و مدار تیل پر ہے۔ چنانچہ شیریں ہنٹرنے اس بات پر زور دیا ہے:

"نہ اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبوں کے بہت بڑے تصادم کے نظریے کا کوئی تجزیہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سوال کا کوئی جواب ہی دیا جاسکتا ہے کہ اس تصادم کو پر امن بنانے یا ہی میں کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ جب تک کہ اسلام اور تیل کے درمیان دھماکہ خیز بندھن (marriage) کی پوری طرح وضاحت نہ کی جائے۔"²

درج بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ثقافتی مفادات کے علاوہ مغرب کے کئی اور سماجی و اقتصادی اور سیاسی مفادات بھی ہیں جن کے لیے مغرب اپنی عالمی بالادستی کی راہ میں عالم اسلام ہی زبردست رکاوٹ ہے۔ جس کی تاریخ، ثقافت، جغرافیائی، ارضیاتی (زیر زمین تیل، گیس اور معدنیات کے ذخائر) اور دوسری وجوہ ہیں۔ چنانچہ عام طور پر خالص مفادات کے لیے مغرب کو ان دونوں تہذیبوں کے درمیان تصادم ناگزیر دکھائی دیتا ہے۔ ان حقائق سے بلاشبہ دونوں تہذیبوں کے درمیان تصادم کی اقتصادی، سیاسی اور تزویراتی (اسٹریٹجک) وجوہ اور عالمی قوت قائم رکھنے کی خواہش سامنے آتی ہیں۔ بات پر بھی زور ہے کہ استعماریت دراصل عالم گیریت (Universalism) کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔³ اس کے ساتھ ہنٹنگٹن کا یہ ماننا ہے کہ بہر حال مغرب اپنی اقدار، ادارے اور ثقافت دوسری تہذیبوں پر مسلط کرنے کے لیے غیر اخلاقی رویہ کا بھی مرتکب ہو رہا ہے۔

1 - Shireen T. Hunter, The Future of Islam and the West, 170

2 - ایضاً، 13

3 - P. Huntington, The Clash of Civilizations, P.170

اس احساس حقیقت کے باوجود ہن ٹنگٹن نے زور دیا ہے کہ مغرب کو دوسری تہذیبوں پر اپنی ٹیکنالوجی اور فوجی بالادستی قائم رکھنی چاہیے اور مسلم دنیا نیز چینی تہذیب کے حامل ممالک کی روایتی اور غیر روایتی فوجی قوت کے فروغ کو بہر صورت روکنا چاہیے۔¹ پروفیسر سیمول پی ہن ٹنگٹن کا بنیادی مقصد عالمی سطح پر مغرب کے مفادات، دولت، قوت اور اثر و رسوخ کا تحفظ ہے۔ اسی حوالے سے موصوف نے لکھا ہے:

"مغرب کی رو بہ زوال قوت کے تناظر میں، مغربی تہذیب کے تحفظ کے لیے امریکا اور یورپی ممالک کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ باہمی سیاسی، اقتصادی اور فوجی یکجہتی حاصل کریں۔ اور اپنی پالیسیوں میں اس طرح میل پیدا کریں تاکہ دوسری تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی مملکتوں کو، ان (امریکا اور یورپ) کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلیش قوت کے حصول اور فروغ سے باز رکھا جاسکے۔ کیونکہ دوسری تہذیبوں کے امور میں مغرب کی مداخلت، کثیر تہذیبی دنیا میں

عدم استحکام اور عالمی تصادم کا شاید سب سے زیادہ خطرناک سبب اور ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے"²

درج بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ ہن ٹنگٹن نے امریکا و یورپ کو ایسی استحصالی پالیسیوں پر عمل درآمد کے لیے نہ صرف ابھارا ہے بلکہ ایسی مغربی یلغار کی پر زور و کالت کی ہے جس سے دوسری تہذیبوں کو ترقی و فروغ سے روکا جاسکے اور عالمی سطح پر مغرب کی بالادستی کا عمل جاری رہ سکے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت اور تہذیبی بقائے باہمی

اسلامی تہذیب اور ثقافت ایک الہامی ضابطہ حیات کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ اسلامی تہذیب اور ثقافت اپنے ہمہ جہت نشو و نما اور عالمگیر حیثیت کے لئے عقیدہ توحید کی مرہون منت ہے، یہ اسلامی تہذیب کا اہم ترین اساسی عقیدہ ہے جس کی قوت تسخیر کا کوئی عقیدہ، آئیڈیالوجی یا دین حریف نہیں ہو سکا۔ اسلام میں توحید محض ایک تصور یا نظریہ نہیں بلکہ یہ ایک زندہ و حرکی عقیدہ ہے، یہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے عظیم الشان شجر طیبہ کی بنیاد ہے، یہ فرد و ملت کے پیکر حیات کی روح ہے۔ اس کے بغیر فرد و ملت کا پیکر حیات بے جان و جامد جاتا ہے۔ توحید و واحد قوت ہے جو عالمگیر معاشرے کی تشکیل، پائیدار امن عالم کے قیام اور ہمہ گیر عالمی سطح پر موافقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضامن ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ان مستقل اور ہمہ گیر اقدار کی حفاظت کی ہے اور اسلامی تہذیب ان اقدار کی وجہ سے ممتاز تہذیب ہے جو اپنے الہامی تشخص کے باعث تمام دوسری تہذیبوں سے منفرد ہے۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ان قدروں پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسلامی تہذیب اپنی اساسی اقدار اور تمدنی مظاہر کے لحاظ سے حیات کی وحدت کا تصور پیش کرتی ہے اس میں کسی سطح پر بھی ثنویت (Dualism) قابل قبول نہیں۔ وحدت کا یہ تصور فرد سے لے کر

اجتماع تک اور انسان سے لے کر کائنات تک ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ یہ تصور اسلامی تہذیب کی جان اور اس کی پہچان ہے۔ اسے قربان کر دینا تہذیب کی قربانی کے مترادف ہوگا۔

اسلامی ثقافت ایک مخصوص ذہنی راستے کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مرتب ہوتا ہے۔ یہ تہذیب عظمت و تکریمِ انسانیت، مساواتِ انسانی، عدل و احسان، انسانی ہمدردی اور خیر خواہی جیسی اہم خصوصیات سے مبین ہے۔ یہ خصوصیات دوسری تہذیب و اقوام کے ساتھ تعلقات کی راہ متعین کرتی ہیں۔ اسلامی تہذیب دراصل روشنی کا مینار ہے جس سے اسلامی تمدن وجود پذیر ہوتا ہے۔ یہی وہ مینار ہے جس نے پوری دنیا کی تہذیبوں کو اپنے اندر سمیٹا بھی اور متاثر بھی کیا۔

اسلامی ثقافت کا مقصد انسانی زندگی کے خارجی عناصر کو خوشمنا بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد انسانی زندگی کو بذات خود خوشمنا بنانا اور سر بلند کرنا ہے۔ اسلامی تہذیب کی روح سے حریت، سکینتِ قلب اور جذبہ عمل پھوٹتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کی اسی روح کا اثر پورے اسلامی معاشرے، اس کے اعمال اور اسلامی تمدن پر نمایاں ہوتا ہے۔ رسول ﷺ کی سیرت مبارکہ میں غیر مسلموں سے حسن سلوک اور تعلقات کے حوالے سے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے پر امن بقائے باہمی کی بنیاد پر تعلقات اور بین الثقافتی اتحاد کے فروغ کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ میثاقِ مدینہ، صلح حدیبیہ، معاہدہ نجران، فتح مکہ عہد نبی ﷺ کی ایسی مثالیں ہیں جن کی نظیر تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ معاہدات اسلام اور دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان، مفاہمت، تحل، برداشت، رواداری کے فروغ اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے اہم مقام رکھتے ہیں۔

میثاقِ مدینہ

ہجرتِ مدینہ کے بعد رسول ﷺ نے یہودِ مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ کی ضرورت محسوس کی جس کی رو سے فریقین ایک دوسرے کے عقائد کے احترام اور ان کی شہری آزادی کے تحفظ کا وعدہ کریں یہ معاہدہ متن کے اعتبار سے حیرت انگیز اس معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو اختلافات کے باوجود متحد کر دیا اور انہیں ایک نظام کے تابع کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ نہایت بہتر سلوک کیا اور ان سے روابط استوار کر لیے۔¹ میثاقِ مدینہ کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- 1- یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہے گی۔
- 2- دونوں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔
- 3- اگر مدینہ پر کوئی بیرونی قوت حملہ کرے تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
- 4- اگر دونوں قومیں میں تنازعہ پیدا ہو جائے تو حضور ﷺ کا فیصلہ تسلیم کرنا ہوگا۔

1 - حمید اللہ، ڈاکٹر، پیغمبرِ اسلام، مترجم خالد پرویز، میکس لائبر، 2013ء، 198

5- فریقین کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ 6- خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ رائج رہے گا۔¹
اس معاہدہ کی رو سے مدینہ کی فضا پر سکون ہوگی۔ اسلام ریاست کی ابتداء ہوئی جس کی بنیاد حق و انصاف اور اخوت و مساوات پر رکھی گئی اور رنگ، نسل زبان اور مذہب کا امتیاز ختم کر کے اہل مدینہ ایک قوم بن گئے۔ یہ معاہدہ حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت، مذہبی رواداری اور حسن تدبیر کا ایسا تاریخی اور مثالی شاہکار ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی ہے۔ نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

"یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی"²

معاہدہ نجران اور بین التمدنی یگانگت و ہم آہنگی

عیسائیوں کے ساتھ اتحاد و رواداری کی بہترین مثال "معاہدہ نجران" ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جس کے ارکان کی تعداد 60 تھی حضور ﷺ سے ملنے آیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا اس معاہدہ کی رو سے عیسائی اقلیت کو مذہبی رواداری اور ثقافتی ہم آہنگی کے صلے میں جو حقوق و مراعات حاصل ہوئی و مندرجہ ذیل ہیں:

1- ان کی جان محفوظ رہے گی۔ 2- ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔ 3- ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ 4- مذہبی عہدے دار اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔ 5- صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ 6- ان سے فوجی خدمت نہیں لی جائے گی۔³

بین التمدنی اور ثقافتی ہم آہنگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا درخشاں مثال ہوگی۔ اس معاہدے کے تحت عیسائی دنیا کو اتحاد و یگانگت کی دعوت ان الفاظ میں دی گئی کہ "آؤ اہل کتاب اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔ ہر مذہب کے عبادت خانوں، اور مذہبی پیشواؤں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی۔"

معاہدات کی پاسداری تہذیبی بقائے باہمی

عدل کا تقاضا ہے کہ جملہ معاہدات، موافق اور قراردادوں کی بنیاد عدل پہ ہو سب کے ساتھ انصاف ہو اور اس کی بنیاد پر کوئی طاقتور کسی کمزور پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ لہذا عدل واضح ترین خصوصیت ہے جس سے متعلق جملہ انسانی تعلقات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں احکام قرآن و سنت سے ثابت شدہ ہیں۔ عدل دشمن کا

1- حمید اللہ، ڈاکٹر، پیغمبر اسلام، 215

2- ہیکل، محمد حسین، حیات محمد، عبد اللہ اکیڈمی لاہور، 2003ء، 310

3- ایضاً، 375

ویسا ہی حق ہے جیسا کہ دوستوں کا حق ہے۔ غیر مسلموں کی مسلمانوں سے عداوت اور زیادتی کے باوجود ان سے ناانصافی درست نہیں، بلکہ دوسری اقوام اور تہذیبوں سے تعلقات عدل و تقویٰ پر مبنی ہو۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾¹

ترجمہ: ایمان والو! اللہ کے نام پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسائے کہ عدل کا دامن چھوڑ دو تم بہر حال انصاف کیا کرو یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

عدل، مساوات اور آزادی کی اقدار محض خواہشات ہی نہ رہیں بلکہ ضروری ہے کہ انہیں برسر زمین عملی صورت دی جائے۔ قرآن حکیم وعدوں کے احترام، معاہدوں اور ذمہ داریوں کو کامل ترین صورت میں نبھانے کا صریح اور براہ راست حکم صادر کرتا ہے۔ اسلام نے عہد کو اخلاقی مرتبہ دے کر اسے تاکید الی الفاظ کے ساتھ حکم نامہ (Mandatory) بنا دیا ہے۔ اور اس اصول (معاہدات اور ذمہ داریوں کا امن و جنگ میں احترام) کا مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں نبی ﷺ کے مبارک عہد سے لے کر آج تک ایک بلیغ اثر تھا اور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾²

ترجمہ: عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنا ہوگی۔

معاہدات اپنی عبارتوں سے قوت حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے عقد کرنے والوں کی عزیمت کے ساتھ وفا پر منحصر ہیں۔ اسلام بلاشبہ اسے عقیدہ ایمانی سے مربوط کر کے وفا کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام معاہدات کی پاسداری کو نہ صرف قانونی ذمہ داری قرار دیتا ہے بلکہ اخلاقی اور دینی ذمہ داری اور ایمان کا تقاضہ بھی ہے۔ اس کی نظیر کسی قدیم وجدید ریاست کے قوانین میں نہیں ملتی۔

قرآن مجید دھوکہ دہی، خیانت اور عہد شکنی سے منع کرتا ہے اور وضاحت کے ساتھ تاکید فرمائی گئی ہے۔ برابری کی بنیاد پر معاہدے اور مواثیق کی پاسداری تہذیبی تعلقات میں بنیادی عوامل شمار ہوتی ہے نیز یہ اصول وضاحت کرتا ہے کہ یہ وفا اور اخلاقیات کا اصول محض شکلی اور قانونی پہلوؤں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ تعاون اور بقائے باہمی کی بنیاد کو راسخ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طاقت پر مبنی ثقافت مغرب کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک تو ہو سکتی ہے مگر اسلام کی یہ خصوصیت نہیں ہے اسلام میں قوت اور اقتدار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انسان اللہ

تعالیٰ کا نائب ہونے کی حیثیت میں زمین پر اس کا عطا کردہ اختیار استعمال کرتا ہے۔ خورشید احمد اس کی وضاحت کے لیے سید مودودی کے نظریات و افکار کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جہاں تک انسان کا تعلق ہے وہ اللہ کی تخلیق ہے، چنانچہ وہ اسی کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہے۔ اسے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ اللہ نے ہر انسان کو اپنی نیابت سے نوازا ہے اور وہ اللہ کے سامنے ہی اس بارے میں جوابدہ ہے۔ اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت میں انسان اپنے رب، مالک اور پروردگار کے احکام کے مطابق ہی اس دنیا کے معاملات کو چلانے کا پابند ہے۔ اللہ نے اپنا جو اختیار اسے عطا کر رکھا ہے وہ اللہ کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کو استعمال کرنے کا پابند ہے۔¹

اور مختصر یہی اسلام کی ثقافت ہے کہ اللہ تعالیٰ کل اختیار کا مالک ہے اور وہی ہے جو قانون دیتا ہے انسان اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت میں قانون سازی کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں فیصلے کرتا ہے وہ اس دوران خود کو شریعت کی مقرر کردہ حدود کے اندر رکھتا ہے جو قرآن اور سنت پر مبنی ہیں۔²

اس نظام فکر سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام کی سیاسی ثقافت میں ایسی ناروا قوت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جو انسانوں پر حاوی ہو اور ان کا استحصال کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں علاقوں کی توسیع ذاتی اقتدار اور شان و شوکت کے لیے نہیں کی جاتی، بلکہ یہ کام تو اللہ کی راہ میں کیا جاتا ہے تاکہ اس کے قوانین قائم اور نافذ کیے جاسکیں اور عوام کو ظالموں اور استبدادی حاکموں سے نجات دلائی جاسکے۔

باہم مکالمے کی ضرورت

اسلام دنیا کی دیگر تہذیبوں سے اختلافات کے باوجود تصادم کے نظریے کا قائل نہیں بلکہ مشترکات کی بنیاد پر دنیا کو مل بیٹھنے اور مکالمے کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾

کہو اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔³

اسلام دوسرے مذاہب، ثقافتوں اور تہذیبوں میں اختلافات قبول کرتا ہے لیکن وہ ثقافتی اور تہذیبی سامراجیت کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام، مغربی تہذیب کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کو تسلیم کرتا ہے لیکن وہ اس کی

1 - Ahmad, Khurshid and Ansari Z.I, Islamic Perspective, p.366

2 - سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفسیرات، ج 3، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1968ء، 7-68

3- سورۃ آل عمران: 64/3

فلسفیانہ بنیاد کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

سید مودودی مغربی تہذیب کے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور عمومی ذہنی قوت کے بظاہرے پر اہل مغرب کے معترف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مغربی تہذیب صحیح سمت کے شعور سے محروم ہے۔ غیر حقیقی بنیادی اصولوں کی وجہ سے انسان کی زندگی یا سماج اپنے اندر سے گل سڑ چکے ہیں۔¹ اس کا واضح مطلب ہے کہ اسلام صرف اسی لیے مغرب کو سراسر قبول کرنے کا حامی نہیں جیسا کہ اہل مغرب اکثر قرار دیتے ہیں کہ اسلام مغرب سے بالکل مختلف ہے۔ اختلافات کا مطلب صرف تصادم یا محاذ آرائی نہیں ہوتا بلکہ اختلافات تو باہمی بات چیت اور مکالمے کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے دونوں کے درمیان مختلف نظریاتی اصولوں کی بنا پر اختلافات موجود رہیں لیکن مشترکہ اور انسانی مفاد کی بنیاد پر مختلف معاشروں کے درمیان باہمی مفاہمت اور تعاون کا قیام تو بالکل ممکن ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔

فطری طور پر اسلام اصولوں پر تو سمجھوتہ نہیں کرتا لیکن وہ اپنی حکمت عملی، تدبیروں اور طریق کار میں پلک دار ہیں۔ اہل اسلام کو معروضی طور پر جن مشکلات کا سامنا ہے ان کے مقابلے میں بھی وہ نرمی اور پلک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہمیں اس دنیا میں دوسروں کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم سب اپنے سیاسی فکری اقتصادی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے انسانی بھلائی پر مبنی نقطہ نظر اختیار کریں گے۔ مگر اس کے برعکس ہن ٹنگٹن اسلام اور مغرب کے درمیان تعلقات کو باہمی تصادم کی تناظر میں ہی دیکھنے پر مائل بلکہ بضد ہیں:

"جب تک اسلام، اسلام رہتا ہے اور مغرب، مغرب تو دونوں عظیم تہذیبوں اور طرز حیات کے

درمیان بنیادی تصادم ہی مستقبل میں تعلقات کا تعین کرتا ہے گا۔ جس طرح گزشتہ 14 صدیوں کے

دوران ہوتا چلا آیا ہے"²

اسلام اور مغرب کے درمیان رشتے کے کم از کم دو پہلوؤں پر غور کیا جانا چاہیے، ان میں سے پہلے کا تعلق تو ان اخلاقی اقدار اور اصولوں سے ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور دوسرا جو مغربی تہذیب کے تخلیق ہیں۔ بعض ایسے پہلو اور موضوعات موجود ہیں جہاں ان دونوں میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ لیکن بعض ایسی اقدار ہیں جن پر دونوں میں اختلاف ہے تاہم ہمیں ان اختلافات کو کسی خطرے کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے۔ یا اسے کوئی ایسی چیز نہیں تصور کرنا چاہیے جو دشمنی اور تلخی پیدا کرنے کا موجب ہو۔ تاریخ میں ایک ایسا زمانہ بھی تھا جب خیالات اور اقدار کو سیاسی طاقت کے ذریعے دوسروں پر ٹھونسا جاتا تھا۔ دور حاضر کی تاریخ کا ایک بڑا نمایاں پہلو آزادی اظہار آزادی مباحث اور آزادی

1 -Ahmad, Khurshid and Ansari Z.I, Islamic Perspective, The Islamic Foundation, Leicestershire, 1979, p.368

2 Huntington, The Clash of Civilizations, P.212

ابلاغ ہے۔ ہمیں اسلام اور مغرب کے درمیان صحت مندانہ مکالمے، مذاکرات اور نظریات و خیالات کے تبادلے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

خلاصہ بحث

تہذیبی تصادم کے نظریے کے بانی پروفیسر سیمویل پی ہن ٹنگٹن کے خیال میں اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تصادم ناگزیر ہو چکا ہے انہوں نے اس حدیث کا بھی برملا اظہار کیا ہے کہ اسلام کا عالمی تحریک طاقت کے موجودہ توازن کو درہم برہم کر سکتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے تجویز کیا ہے کہ مغرب کو دوسری تہذیبوں کے خلاف ایسی استحصالی حکمت عملی پر کاربند ہونا چاہیے کہ صرف وہی دنیا کی بالادست تہذیب کے طور قائم رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب دوسری تہذیبوں کے خلاف مسلسل جارحانہ حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔ لیکن اسلام دنیا کی دیگر تہذیبوں سے اختلافات کے باوجود تہذیبی تصادم کے نظریے کا قائل نہیں بلکہ مشترکات کی بنیاد پر دنیا کو مل بیٹھنے اور مکالمے کی دعوت دیتا ہے اور دلیل کے ذریعے قائل کرتا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب، ثقافتوں اور تہذیبوں میں اختلافات قبول کرتا ہے لیکن وہ ثقافتی اور تہذیبی سامراجیت کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام نے تو انسانیت کو ہر ممکن عدم تصادم اور امن کا تصور اور نظریہ دیا ہے۔ اسلام نے تو عین میدان جنگ میں بھی تصادم میں پہل کرنے سے روکا ہے۔ اسلامی تہذیب جن اقدار پر کھڑی ہے، اس میں حفظ مراتب ایک بنیادی قدر ہے۔ یہ الہام کو اپنی اساس مانتی اور اس سے وابستہ ہر تصور کو مقدس سمجھتی ہے۔ اللہ، رسول ﷺ، کتاب اللہ، یہ سب الہامی تصورات ہیں۔ وہ حسب مراتب انکو محترم جانتی اور انکی توہین کے لیے، اس کی تہذیب میں کوئی جگہ نہیں۔ اس کثیر تہذیبی دنیا میں اگر عالمی امن و سکون درکار ہے تو سبھی تہذیبوں کو باہمی مصالحت امیز رویہ اختیار کرنا اور ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا کرنا ہوگی اگر مغرب دوسری تہذیبوں کے بارے میں برداشت کا مظاہرہ کرے اور استحصالی پالیسیوں سے حتراز کرے تو بین التہذیبی تصادم کو روکا جاسکتا ہے۔

نتائج و سفارشات

1. تہذیبی تصادم کے نظریے کے بانی پروفیسر سیمویل پی ہن ٹنگٹن پروفیسر پی ہن ٹنگٹن نے تجویز کیا ہے کہ مغرب کو دنیا کی بالادست تہذیب کے طور قائم رہنے کے لیے دوسری تہذیبوں کے خلاف استحصالی حکمت عملی پر کاربند ہونا چاہیے۔ مغرب کا دیگر تہذیبوں کے بارے میں رویہ اسی تہذیبی تصادم کے نظریے کے گرد گھومتا ہے۔
2. تہذیبی تصادم کے اس نظریے کے برعکس اسلام دنیا کی دیگر تہذیبوں کے حاملین کے ساتھ مشترکات کی بنیاد پر مل بیٹھنے اور مکالمے کے فروغ کی دعوت دیتا ہے۔
3. اسلام تصادم پر یقین نہیں رکھتا بلکہ بقاء باہمی کا درس دیتا ہے کیوں کہ وہ دعوت اور فلاح کا دین ہے۔ وہ ہر تہذیب کو کھلی دعوت کے ذریعے قائل کرتا ہے، لیکن اپنے دفاع سے بے خبر بھی نہیں۔ وہ کمزوروں کی مدد اور اپنے دفاع کے لیے جہاد کا حکم دیتا ہے۔

4. اسلامی تہذیب میں حفظِ مراتب ایک بنیادی قدر ہے۔ یہ الہام کو اپنی اساس مانتی اور اس سے وابستہ ہر تصور یعنی اللہ، رسول ﷺ، تمام انبیاء، کتاب اللہ کو مقدس سمجھتی ہے۔ وہ حسبِ مراتب انکو محترم جانتی اور انکی توہین برداشت نہیں ہے۔ لہذا تمام تہذیبیں مقدسات کے احترام کو یقینی بنائیں اور اقوام متحدہ اور آئی سی مقدسات کی توہین کے واقعات کی روک تھام کے لیے عالمی سطح پر مؤثر قانون سازی کا اہتمام کرے۔ یہ امن عالم کے لیے ضروری ہے۔

5. اس کثیر تہذیبی دنیا میں اگر عالمی امن و سکون درکار ہے تو سبھی تہذیبوں کو باہمی مصالحت امیز رویہ اختیار کرنا اور ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا کرنا ہوگی اگر مغرب دوسری تہذیبوں کے بارے میں برداشت کا مظاہرہ کرے اور استحصالی پالیسیوں سے احتراز کرے تو بین التہذیبی تصادم کو روکا جاسکتا ہے۔